تفہیم القرآن

النور

(۵)

اور اے نبیؐ، مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں۳۰ اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۳۱

عورتوں کے لیے بھی غضِ بصر کے احکام وہی ہیں جو مردوں کے لیے ہیں، یعنی انہیں قصداً مردوں کو نہ دیکھنا چاہیے، نگاہ پڑ جائے تو ہٹا لینی چاہیے، اور دوسروں کے ستر دیکھنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ لیکن مرد کے عورت کو دیکھنے کی بہ نسبت عورت کے مرد کو دیکھنے کے معاملہ میں احکام تھوڑے سے مختلف ہیں۔ ایک طرف حدیث میں ہم کو یہ واقعہ ملتا ہے کہ حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی تھیں، اتنے میں حضرت ابن ام مکتوم آ گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں بیویوں سے فرمایا احتجبا منہ، "ان سے پردہ کرو"۔ بیویوں نے عرض کیا یا رسول اللہ الیس اعمٰی لا یبصرنا ولا یعرفنا، "یا رسول اللہ کیا یہ اندھے نہیں ہیں؟ نہ ہمیں دیکھیں گے نہ پہچانیں گے"۔ فرمایا افعمیاوان انتما، الستما تبصرانہ، "کیا تم دونوں بھی اندھی ہو؟ کیا تم انہیں نہیں دیکھتیں؟" حضرت ام سلمہ تصریح کرتی ہیں کہ وذٰلک بعد ان اُمِرَ بالحجاب، "یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جب پردے کا حکم آ چکا تھا" (احمد، ابوداؤد، ترمذی)۔ اور اس کی تائید مؤطا کی یہ روایت کرتی ہے کہ حضرت عائشہ کے پاس ایک نابینا آیا تو انہوں نے اس سے پردہ کیا۔ کہا گیا کہ آپ اس سے پردہ کیوں کرتی ہیں، یہ تو آپ کو نہیں دیکھ سکتا۔ جواب میں ام المومنین نے فرمایا لٰکنی انظر الیہ، "میں تو اسے دیکھتی ہوں"۔ دوسری طرف ہمیں حضرت عائشہ کی یہ روایت ملتی ہے کہ ۷ھ میں حبشیوں کا وفد مدینہ آیا اور اس نے مسجد نبوی کے احاطے میں ایک تماشا کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت عائشہ کو یہ تماشا دکھایا (بخاری، مسلم، احمد)۔ تیسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ فاطمہ بنت قیس کو جب ان کے شوہر نے تین طلاق دے دیں تو سوال پیدا ہوا کہ وہ عدت کہاں گزاریں۔ پہلے حضورؐ نے فرمایا کہ

ام شریک انصاریہ کے ہاں رہو۔ پھر فرمایا: "ان کے ہاں میرے صحابہ بہت جاتے رہتے ہیں (کیونکہ وہ ایک بڑی مالدار اور فیاض خاتون تھیں، بکثرت لوگ ان کے ہاں مہمان رہتے اور وہ ان کی ضیافت کرتی تھیں) لہٰذا تم ابن ام مکتوم کے ہاں رہو، وہ اندھے آدمی ہیں، تم ان کے ہاں بے تکلف رہ سکو گی" (مسلم، ابو داؤد)۔ ان روایات کو جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے مردوں کو دیکھنے کے معاملے میں اتنی سختی نہیں ہے جتنی مردوں کے عورتوں کو دیکھنے کے معاملے میں ہے۔ ایک مجلس میں آمنے سامنے بیٹھ کر دیکھنا ممنوع ہے۔ راستہ چلتے ہوئے یا دور سے کوئی جائز قسم کا کھیل تماشا دیکھتے ہوئے مردوں پر نگاہ پڑنا ممنوع نہیں ہے۔ اور کوئی حقیقی ضرورت پیش آجائے تو ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی دیکھنے میں مضائقہ نہیں ہے۔ امام غزالی اور ابن حجر عسقلانی نے بھی روایات سے قریب قریب یہی نتیجہ اخذ کیا ہے۔ شوکانی نیل الاوطار میں ابن حجر کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ "جواز کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ عورتوں کے باہر نکلنے کے معاملے میں ہمیشہ جواز ہی پر عمل رہا ہے۔ مسجدوں میں، بازاروں میں، اور سفروں میں عورتیں تو نقاب منہ پر ڈال کر جاتی تھیں کہ مرد ان کو نہ دیکھیں، مگر مردوں کو کبھی یہ حکم نہیں دیا گیا کہ وہ بھی نقاب اوڑھیں تاکہ عورتیں ان کو نہ دیکھیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے معاملے میں حکم مختلف ہے" (جلد ۶۔ صفحہ ۱۰۱)۔ تاہم یہ کسی طرح بھی جائز نہیں ہے کہ عورتیں اطمینان سے مردوں کو گھوریں اور ان کے حسن سے آنکھیں سینکیں۔

۳۱ یعنی ناجائز شہوت رانی سے بھی پرہیز کریں، اور اپنا ستر دوسروں کے سامنے کھولنے سے بھی۔ اس معاملے میں عورتوں کے لیے بھی وہی احکام ہیں جو مردوں کے لیے ہیں۔ لیکن عورت کے ستر کے حدود مردوں سے مختلف ہیں۔ نیز عورت کا ستر مردوں کے لیے الگ ہے اور عورتوں کے لیے الگ۔

مردوں کے لیے عورت کا ستر ہاتھ اور منہ کے سوا اس کا پورا جسم ہے جسے شوہر کے سوا کسی دوسرے مرد حتیٰ کہ باپ اور بھائی کے سامنے بھی نہ کھلنا چاہیے، اور عورت کو ایسا باریک یا چست لباس بھی نہ پہننا چاہیے جس سے بدن اندر سے جھلکے یا بدن کی ساخت نمایاں ہو۔ حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ ان کی بہن حضرت اسماء بنت ابی بکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئیں اور وہ باریک کپڑے پہنے ہوئے تھیں۔ حضورؐ نے فوراً منہ پھیر لیا اور فرمایا یا اسماء ان المرأۃ اذا بلغت المحیض لم یصلح لہا ان یُری منہا الا ھٰذا وھٰذا واشار الی وجہہ وکفیہ "اسماء، جب عورت بالغ ہو جائے تو جائز نہیں ہے کہ منہ اور ہاتھ کے سوا اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر آئے۔"

اور[۳۳] اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں[۳۴] بجز اُس کے جو خود ظاہر ہو جائے[۳۵]، اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں

(ابو داؤد)۔ اسی قسم کا ایک اور واقعہ ابن جریر نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ ان کے ہاں ان کے اخیافی بھائی عبداللہ بن الطفیل کی صاحبزادی آئی ہوئی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو انہیں دیکھ کر منہ پھیر لیا۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ میری بھتیجی ہے۔ آپ نے فرمایا اذا عرکت المرأۃ لم یحل لہا ان تظہر الا وجہہا والا ما دون ھٰذا وقبض علیٰ ذراع نفسہ وترک بین قبضتہ وبین الکف مثل قبضۃ اخریٰ "جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ ظاہر کرے اپنے منہ کے سوا اور اپنے ہاتھ کے سوا۔ اور ہاتھ کی حد آپ نے خود اپنی کلائی پر ہاتھ رکھ کر اس طرح بتائی کہ آپ کی مٹھی اور ہتھیلی کے درمیان صرف ایک مٹھی کی جگہ اور باقی تھی"۔ اس معاملے میں صرف اتنی رعایت ہے کہ اپنے محرم رشتہ داروں (مثلاً باپ بھائی وغیرہ) کے سامنے عورت اپنے جسم کا اتنا حصہ کھول سکتی ہے جسے گھر کا کام کاج کرتے ہوئے کھولنے کی ضرورت پیش آتی ہے، جیسے آٹا گوندھتے ہوئے آستینیں اوپر چڑھا لینا، یا گھر کا فرش دھوتے ہوئے پائنچے کچھ اوپر کر لینا۔

اور عورت کے لیے عورت کے ستر کے حدود وہی ہیں جو مرد کے ستر کے ہیں، یعنی ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عورتوں کے سامنے عورت نیم برہنہ رہے۔ بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ ڈھانکنا فرض ہے اور دوسرے حصوں کا ڈھانکنا فرض نہیں ہے۔

۳۳ یہ بات نگاہ میں رہے کہ شریعتِ الٰہی عورتوں سے صرف اُتنا ہی مطالبہ نہیں کرتی جو مردوں سے اس نے کیا ہے یعنی نظر بچانا اور شرمگاہوں کی حفاظت کرنا، بلکہ وہ اُن سے کچھ اور مطالبے بھی کرتی ہے جو اس نے مردوں سے نہیں کیے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس معاملے میں عورت اور مرد یکساں نہیں ہیں۔

۳۴ "بناؤ سنگھار" ہم نے "زینت" کا ترجمہ کیا ہے جس کے لیے دوسرا لفظ آرائش بھی ہے۔ اس کا اطلاق تین چیزوں پر ہوتا ہے: خوشنما کپڑے، زیور، اور سر، منہ، ہاتھ پاؤں وغیرہ کی مختلف آرائشیں جو بالعموم عورتیں دنیا میں کرتی ہیں، جن کے لیے موجودہ زمانے میں MAKE UP کا لفظ بولا جاتا ہے۔ یہ بناؤ سنگھار کس کو نہ دکھایا جائے، اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

۳۵ اس آیت کے مفہوم کو تفسیروں کے مختلف بیانات نے اچھا خاصا مبہم بنا دیا ہے، ورنہ بجائے خود

بات بالکل صاف ہے۔ پہلے فقرے میں ارشاد ہوا ہے کہ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ "وہ اپنی آرائش و زیبائش کو ظاہر نہ کریں" اور دوسرے فقرے میں اِلّا بول کر اس حکمِ نہی سے جس چیز کو مستثنیٰ کیا گیا ہے وہ ہے مَا ظَهَرَ مِنْهَا "جو کچھ اس آرائش و زیبائش میں سے ظاہر ہو، یا ظاہر ہو جائے"۔ اس سے صاف مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو خود اس کا اظہار اور اس کی نمائش نہ کرنی چاہیے، البتہ جو آپ سے آپ ظاہر ہو جائے (جیسے چادر کا ہوا سے اڑ جانا اور کسی زینت کا کھل جانا) یا جو آپ سے آپ ظاہر ہو (جیسے وہ چادر جو اوپر سے اوڑھی جاتی ہے، کیونکہ بہرحال اس کا چھپانا تو ممکن نہیں ہے، اور عورت کے جسم پر ہونے کی وجہ سے بہرحال وہ بھی اپنے اندر ایک کشش رکھتی ہے) اس پر خدا کی طرف سے کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ یہی مطلب اس آیت کا حضرت عبداللہ بن مسعود، حسن بصری، ابن سیرین اور ابراہیم نخعی نے بیان کیا ہے۔ اس کے برعکس بعض مفسرین نے مَا ظَهَرَ مِنْهَا کا مطلب لیا ہے مَا يُظْهِرُهُ الْاِنْسَانُ عَلَى الْعَادَةِ الْجَارِيَةِ (جسے عادۃً انسان ظاہر کرتا ہے)، اور پھر وہ اس میں منہ اور ہاتھوں کو ان کی تمام آرائشوں سمیت شامل کر دیتے ہیں، یعنی ان کے نزدیک یہ جائز ہے کہ عورت اپنے منہ کو مسّی اور سرمے اور سرخی پاؤڈر سے، اور اپنے ہاتھوں کو انگوٹھی چھلّے اور چوڑیوں اور کنگن وغیرہ سے آراستہ رکھ کر لوگوں کے سامنے کھولے پھرے۔ یہ مطلب ابن عباس اور ان کے شاگردوں سے مروی ہے اور فقہائے حنفیہ کے ایک اچھے خاصے گروہ نے اسے قبول کیا ہے (احکام القرآن جصاص، جلد ۳، صفحہ ۳۸۸ - ۳۸۹)۔ لیکن ہم یہ سمجھنے سے بالکل قاصر ہیں کہ مَا ظَهَرَ کے معنی مَا يُظْهِرُ عربی زبان کے کس قاعدے سے ہو سکتے ہیں۔ "ظاہر ہونے" اور "ظاہر کرنے" میں کھلا ہوا فرق ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن صریح طور پر "ظاہر کرنے" سے روک کر "ظاہر ہونے" کے معاملے میں رخصت دے رہا ہے۔ اس رخصت کو "ظاہر کرنے" کی حد تک وسیع کرنا قرآن کے بھی خلاف ہے اور ان روایات کے بھی خلاف جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عہدِ نبوی میں حکمِ حجاب آ جانے کے بعد عورتیں کھلے منہ نہیں پھرتی تھیں اور حکمِ حجاب میں منہ کا پردہ شامل تھا، اور احرام کے سوا دوسری تمام حالتوں میں نقاب کو عورتوں کے لباس کا ایک جز بنا دیا گیا تھا۔ پھر اس سے بھی زیادہ قابلِ تعجب بات یہ ہے کہ اس رخصت کے حق میں دلیل کے طور پر یہ بات پیش کی جاتی ہے کہ منہ اور ہاتھ عورت کے ستر میں داخل نہیں ہیں، حالانکہ ستر اور حجاب میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ستر تو وہ چیز ہے جسے محرم مردوں کے سامنے کھولنا بھی ناجائز ہے۔ رہا حجاب، تو وہ ستر سے زائد

کے آنچل ڈالے رہیں۔ وہ اپنا بناؤ سنگھار نہ ظاہر کریں مگر ان لوگوں کے سامنے: شوہر، باپ، شوہروں
ایک چیز ہے جسے عورتوں اور غیر محرم مردوں کے درمیان حائل کیا گیا ہے۔ اور یہاں بحث ستر کی نہیں بلکہ احکام حجاب کی ہے۔

۳۶ زمانۂ جاہلیت میں عورتیں سروں پر ایک طرح کے کساوے سے باندھے رکھتی تھیں جن کی گرہ جوڑے کی طرح پیچھے چوٹی پر لگائی جاتی تھی۔ سامنے گریبان کا ایک حصہ کھلا رہتا تھا جس سے گلا اور سینے کا بالائی حصہ صاف نمایاں ہوتا تھا۔ چھاتیوں پر قمیص کے سوا اور کوئی چیز نہ ہوتی تھی۔ اور پیچھے دو دو تین تین چوٹیاں لہراتی رہتی تھیں (تفسیر کشاف جلد ۲ صفحہ ۹۰۔ ابن کثیر جلد ۳، صفحہ ۲۸۴-۲۸۳)۔ اس آیت کے نزول کے بعد مسلمان عورتوں میں دوپٹہ رائج کیا گیا جس کا مقصد یہ نہیں تھا کہ آج کل کی صاحبزادیوں کی طرح بس اسے بل دے کر گلے کا ہار بنا لیا جائے۔ بلکہ یہ تھا کہ اسے اوڑھ کر سر، کمر، سینہ سب اچھی طرح ڈھانک لیے جائیں۔ اہل ایمان خواتین نے قرآن کا یہ حکم سنتے ہی فوراً جس طرح اس کی تعمیل کی اس کی تعریف کرتے ہوئے حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب سورۂ نور نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو سن کر لوگ اپنے گھروں کی طرف پلٹے اور جا کر انہوں نے اپنی بیویوں، بیٹیوں، بہنوں کو اس کی آیات سنائیں۔ انصار کی عورتوں میں سے کوئی عورت ایسی نہ تھی جو آیت ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن کے الفاظ سن کر اپنی جگہ بیٹھی رہ گئی ہو۔ ہر ایک اٹھی اور کسی نے اپنا کمر پٹہ کھول کر اور کسی نے چادر اٹھا کر فوراً اس کا دوپٹہ بنایا اور اوڑھ لیا۔ دوسرے روز صبح کی نماز کے وقت جتنی عورتیں مسجد نبوی میں حاضر ہوئیں سب دوپٹے اوڑھے ہوئے تھیں۔ اسی سلسلے کی ایک اور روایت میں حضرت عائشہ مزید تفصیل یہ بتاتی ہیں کہ عورتوں نے باریک کپڑے چھوڑ کر اپنے موٹے موٹے کپڑے چھانٹے اور ان کے دوپٹے بنائے (ابن کثیر ج ۳، ص ۲۸۴۔ ابو داؤد، کتاب اللباس)۔

یہ بات کہ دوپٹہ باریک کپڑے کا نہ ہونا چاہیے، ان احکام کے مزاج اور مقصد پر غور کرنے سے خود ہی آدمی کی سمجھ میں آجاتی ہے، چنانچہ انصار کی خواتین نے حکم سنتے ہی سمجھ لیا تھا کہ اس کا منشا کس طرح کے کپڑے کا دوپٹہ بنانے سے پورا ہو سکتا ہے۔ لیکن صاحبِ شریعت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو بھی صرف لوگوں کے فہم پر نہیں چھوڑ دیا بلکہ خود اس کی تصریح فرما دی۔ دِحیہ کلبی کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مصر کی بنی ہوئی باریک ململ (قباطی) آئی۔ آپ نے اس میں سے ایک ٹکڑا مجھے دیا اور فرمایا ایک حصہ پھاڑ کر اپنا کرتا بنا لو اور ایک حصہ اپنی بیوی کو دوپٹہ بنانے کے لیے دے دو، مگر ان سے کہہ دینا کہ تجعل تحتہ ثوبًا لا یصفھا۔ اس کے نیچے ایک اور کپڑا لگالیں تاکہ جسم کی

کے باپ[۳۵]، اپنے بیٹے، شوہروں کے بیٹے[۳۶]، بھائی[۳۷]، بھائیوں کے بیٹے[۳۸]، بہنوں کے بیٹے[۳۹]، اپنے میل جول کی عورتیں[۴۰]،

ساخت اندر سے نہ جھلکے" (ابوداؤد، کتاب اللباس)۔

۳۴ یعنی جس حلقے میں ایک عورت اپنی پوری زینت کے ساتھ آزادی سے رہ سکتی ہے وہ ان لوگوں پر مشتمل ہے۔ اِس حلقے سے باہر جو لوگ بھی ہیں، خواہ وہ رشتہ دار ہوں یا اجنبی، بہرحال ایک عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ ان کے سامنے زیب و زینت کے ساتھ آئے۔ ولایبدین زینتھن الا ماظھر منھا کے فقرے میں جو حکم دیا گیا تھا اس کا مطلب یہاں کھول دیا گیا ہے کہ اس محدود حلقے سے باہر جو لوگ بھی ہوں، ان کے سامنے ایک عورت کو اپنی آرائش قصداً یا بے پروائی کے ساتھ خود نہ ظاہر کرنی چاہیے، البتہ جو ان کی کوشش کے باوجود یا ان کے ارادے کے بغیر ظاہر ہو جائے، یا جس کا چھپانا ممکن نہ ہو وہ اللہ کے ہاں معاف ہے۔

۳۵ اصل میں لفظ آباء استعمال ہوا ہے جس کے مفہوم میں صرف باپ ہی نہیں بلکہ دادا پر دادا، اور نانا پرنانا بھی شامل ہیں۔ لہٰذا ایک عورت اپنی ددھیال اور ننھیال، اور اپنے شوہر کی ددھیال اور ننھیال کے ان سب بزرگوں کے سامنے اُسی طرح آ سکتی ہے جس طرح اپنے والد اور خسر کے سامنے آ سکتی ہے۔

۳۶ بیٹوں میں پوتے پرپوتے اور نواسے پرنواسے سب شامل ہیں۔ اور اس معاملے میں سگے سوتیلے کا کوئی فرق نہیں ہے۔ اپنے سوتیلے بچوں کی اولاد کے سامنے عورت اسی طرح آزادی کے ساتھ اظہارِ زینت کر سکتی ہے جس طرح خود اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کے سامنے کر سکتی ہے۔

۳۷ "بھائیوں" میں سگے اور سوتیلے اور ماں جائے بھائی سب شامل ہیں۔

۳۸ بھائی بہنوں کے بیٹوں سے مراد تینوں قسم کے بھائی بہنوں کی اولاد ہے، یعنی ان کے پوتے پرپوتے اور نواسے پرنواسے سب اس میں شامل ہیں۔

۳۹ یہاں چونکہ رشتہ داروں کا حلقہ ختم ہو رہا ہے۔ اور آگے غیر رشتہ دار لوگوں کا ذکر ہے، اس لیے آگے بڑھنے سے پہلے تین مسائل کو اچھی طرح سمجھ لیجیے، کیونکہ ان کو نہ سمجھنے سے متعدد الجھنیں واقع ہوتی ہیں:-

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ بعض لوگ اظہارِ زینت کی آزادی کو صرف اُن رشتہ داروں تک محدود سمجھتے ہیں جن کا نام یہاں لیا گیا ہے۔ باقی سب لوگوں کو حتیٰ کہ سگے چچا اور سگے ماموں تک کو اُن رشتہ داروں میں شمار کرتے ہیں جن سے پردہ کیا

جانا چاہیے، اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ ان کا نام قرآن میں نہیں لیا گیا ہے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔ سگے چچا اور ماموں تو درکنار، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو رضاعی چچا اور ماموں سے بھی پردہ کرنے کی حضرت عائشہ کو اجازت نہ دی۔ صحاح ستہ اور مسند احمد میں حضرت عائشہ کی اپنی روایت ہے کہ ابو القُعَیس کے بھائی اَفلح ان کے ہاں آئے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ چونکہ پردے کا حکم آچکا تھا اس لیے حضرت عائشہ نے اجازت نہ دی۔ انہوں نے کہلا بھیجا کہ تم تو میری بھتیجی ہو، کیونکہ میرے بھائی ابو القُعیس کی بیوی کا تم نے دودھ پیا ہے۔ لیکن حضرت عائشہ کو اس میں تامل تھا کہ یہ رشتہ بھی ایسا ہے جس میں پردہ اٹھا دینا جائز ہو۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور آپ نے فرمایا کہ وہ تمہارے پاس آسکتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس آیت کو اس معنی میں نہیں لیا ہے کہ اس میں جن جن رشتہ داروں کا ذکر آیا ہے اُن سے پردہ نہ ہو اور باقی سب سے ہو، بلکہ آپ نے اس سے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ جن جن رشتہ داروں سے ایک عورت کا نکاح حرام ہے وہ سب اسی آیت کے حکم میں داخل ہیں، مثلاً چچا، ماموں، داماد، اور رضاعی رشتہ دار۔ تابعین میں سے حضرت حسن بصری نے بھی یہی رائے ظاہر کی ہے، اور اسی کی تائید علامہ ابوبکر جصاص نے احکام القرآن میں فرمائی ہے (ج ۳، ص ۳۹۰)۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جن رشتہ داروں سے ابدی حرمت کا رشتہ نہ ہو (یعنی جن سے ایک کنواری یا بیوہ عورت کا نکاح جائز ہو) وہ نہ تو محرم رشتہ داروں کے حکم میں ہیں کہ عورتیں بے تکلف ان کے سامنے اپنی زینت کے ساتھ آئیں اور نہ بالکل اجنبیوں کے حکم میں کہ عورتیں ان سے ویسا ہی مکمل پردہ کریں جیسا غیروں سے کیا جاتا ہے۔ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان ٹھیک ٹھیک کیا رویہ ہونا چاہیے، یہ شریعت میں متعین نہیں کیا گیا ہے، کیونکہ اس کا تعین ہو نہیں سکتا۔ اس کے حدود مختلف رشتہ داروں کے معاملے میں اُن کے رشتے، ان کی عمر، عورت کی عمر، خاندانی تعلقات و روابط اور فریقین کے حالات (مثلاً مکان کا مشترک ہونا یا الگ الگ مکانوں میں رہنا) کے لحاظ سے لامحالہ مختلف ہوں گے اور ہونے چاہئیں۔ اس معاملے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا طرزِ عمل جو کچھ تھا اس سے ہم کو یہی رہنمائی ملتی ہے۔ بکثرت احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سالی تھیں آپ کے سامنے ہوتی تھیں، اور آخر وقت تک آپ کے اور ان کے درمیان کم از کم چہرے اور ہاتھوں کی حد تک کوئی پردہ نہ تھا۔ حجۃ الوداع نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف چند مہینے پہلے کا واقعہ ہے اور اس وقت بھی یہی

حالت قائم تھی (ملاحظہ ہو ابوداؤد، کتاب الحج، باب المحرم یؤدب غلامہ)۔ اسی طرح حضرت امّ ہانی، جو ابوطالب کی صاحبزادی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چچازاد بہن تھیں، آخر وقت تک حضور کے سامنے ہوتی رہیں، اور کم از کم منہ اور چہرے کا پردہ انہوں نے آپ سے کبھی نہیں کیا۔ فتح مکہ کے موقع کا ایک واقعہ وہ خود بیان کرتی ہیں جس سے اس کا ثبوت ملتا ہے (ملاحظہ ہو ابوداؤد، کتاب الصوم، باب فی النیۃ فی الصوم والرخصۃ فیہ)۔ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عباس اپنے بیٹے فضل کو، اور ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچازاد بھائی) اپنے بیٹے عبدالمطلب کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں یہ کہہ کر بھیجتے ہیں کہ اب تم لوگ جوان ہو گئے ہو، تمہیں جب تک روزگار نہ ملے تمہاری شادیاں نہیں ہو سکتیں، لہٰذا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر نوکری کی درخواست کرو۔ یہ دونوں حضرت زینب کے مکان پر حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ حضرت زینب فضل کی حقیقی پھوپھی زاد بہن ہیں، اور عبدالمطلب بن ربیعہ کے والد سے بھی اُن کا وہی رشتہ ہے جو فضل سے ہے۔ لیکن وہ ان دونوں کے سامنے نہیں ہوتیں اور حضور کی موجودگی میں ان کے ساتھ پردے کے پیچھے سے بات کرتی ہیں (ابوداؤد، کتاب الخراج) ان دونوں قسم کے واقعات کو ملا کر دیکھا جائے تو مسئلے کی صورت وہی کچھ سمجھ میں آتی ہے جو اوپر ہم بیان کر آئے ہیں۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ جہاں رشتے میں شبہ پڑ جائے وہاں محرم رشتہ دار سے بھی احتیاطاً پردہ کرنا چاہیے۔ بخاری و مسلم اور ابوداؤد میں ہے کہ حضرت سَودہ امّ المومنین کا ایک بھائی لونڈی زادہ تھا (یعنی ان کے باپ کی لونڈی کے بطن سے تھا)۔ اُس کے متعلق حضرت سعد بن وقاص کو ان کے بھائی عُتبہ نے وصیت کی کہ اس لڑکے کو اپنا بھتیجا سمجھ کر اس کی سرپرستی کرنا، کیونکہ وہ دراصل میرے نطفے سے ہے۔ یہ مقدمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے حضرت سعد کا دعویٰ یہ کہہ کر خارج کر دیا کہ "بیٹا اُس کا جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا، رہا زانی تو اس کے حصے میں کنکر پتھر"۔ لیکن ساتھ ہی آپ نے حضرت سَودہ سے فرمایا کہ اس لڑکے سے پردہ کرنا (احتجبی منہ)، کیونکہ یہ اطمینان نہ رہا تھا کہ واقعی ان کا بھائی ہے۔

تکملہ اصل میں لفظ نِسَاءِ هِنّ استعمال ہوا ہے جس کا لفظی ترجمہ ہے "ان کی عورتیں"۔ اس سے کون عورتیں مراد ہیں، یہ بحث تو بعد کی ہے۔ سب سے پہلے جو بات قابلِ غور اور قابلِ توجہ ہے وہ یہ ہے کہ محض "عورتوں"

(النساء) کا لفظ استعمال نہیں کیا جس سے مسلمان عورت کے لیے تمام عورتوں اور ہر قسم کی عورتوں کے سامنے بے پردہ ہونا اور اظہارِ زینت کرنا جائز ہو جاتا۔ بلکہ نسائهِنَّ کہہ کر عورتوں کے ساتھ اُس کی آزادی کو بہر حال ایک خاص دائرے تک محدود کر دیا ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ دائرہ کونسا ہو۔ اب رہا یہ سوال کہ یہ کونسا دائرہ ہے، اور وہ کون عورتیں ہیں جن پر لفظ نسائهِنَّ کا اطلاق ہوتا ہے، اس میں فقہاء اور مفسرین کے اقوال مختلف ہیں:۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ اس سے مراد صرف مسلمان عورتیں ہیں۔ غیر مسلم عورتیں خواہ وہ ذمی ہوں یا کسی اور قسم کی، اُن سے مسلمان عورتوں کو اُسی طرح پردہ کرنا چاہیے جس طرح اجنبی مردوں سے کیا جاتا ہے۔ ابن عباس، مجاہد اور ابن جُریج کی یہی رائے ہے۔ اور یہ لوگ اپنی تائید میں یہ واقعہ بھی پیش کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو عُبیدہ کو لکھا "میں نے سنا ہے مسلمانوں کی بعض عورتیں غیر مسلم عورتوں کے ساتھ حماموں میں جانے لگی ہیں حالانکہ جو عورت اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتی ہو اس کے لیے حلال نہیں ہے کہ اس کے جسم پر اس کے اہل ملت کے سوا کسی اور کی نظر پڑے"۔ یہ خط جب حضرت ابو عبیدہ کو ملا تو وہ ایک دم گھبرا کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے "خدایا جو مسلمان عورت محض گوری ہونے کے لیے ان حماموں میں جائے اس کا منہ آخرت میں کالا ہو جائے" (ابن جریر، بیہقی، ابن کثیر)۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اس سے مراد تمام عورتیں ہیں۔ امام رازی کے نزدیک یہی صحیح مذہب ہے لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر فی الواقع اللہ تعالیٰ کا منشا یہی تھا تو پھر نساءهِنَّ کہنے کا کیا مطلب، اس صورت میں تو النساء کہنا چاہیے تھا۔

جمہور (بقول آلوسی "اکثر السلف") کی رائے یہ ہے، اور یہی معقول بھی ہے اور قرآن کے الفاظ سے قریب تر بھی، کہ اس سے مراد اصل ان کے میل جول کی عورتیں، ان کی جانی بوجھی عورتیں، ان سے تعلقات رکھنے والی اور ان کے کام کاج میں حصہ لینے والی عورتیں مراد ہیں، اور مقصود اُن عورتوں کو اس دائرے سے خارج کرنا ہے جو یا تو اجنبی ہوں کہ اُن کے اخلاق و تہذیب کا حال معلوم نہ ہو، یا جن کے ظاہری حالات مشتبہ ہوں اور اُن پر اعتماد نہ کیا جا سکے۔ اس معاملے میں اصل چیز جس کا لحاظ کیا جائے گا وہ مذہبی اختلاف نہیں بلکہ اخلاقی

اپنے مملوک[۴۴]، وہ زیردست مرد جو کسی اور قسم کی غرض نہ رکھتے ہوں[۴۵]، اور وہ بچے جو عورتوں کی پوشیدہ

حالت ہے۔ شریف، باحیا اور نیک اطوار عورتیں، جو معروف اور قابلِ اعتماد خاندانوں سے تعلق رکھنے والی ہوں، ان سے مسلمان عورتیں پوری طرح بے تکلف ہو سکتی ہیں، خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں۔ لیکن بے حیا، آبرو باختہ اور بداطوار عورتیں، خواہ "مسلمان" ہی کیوں نہ ہوں، ہر شریف عورت کو ان سے پردہ کرنا چاہیے، کیونکہ اخلاق کے لیے ان کی صحبت، غیر مردوں کی صحبت سے کچھ کم تباہ کن نہیں ہے۔ رہیں ان جانی عورتیں، جن کی حالت معلوم نہیں ہے، تو ان سے ملاقات کی حد ہمارے نزدیک وہی ہے جو غیر محرم رشتہ داروں کے سامنے آزادی کی زیادہ سے زیادہ حد ہو سکتی ہے، یعنی یہ کہ عورت صرف منہ اور ہاتھ ان کے سامنے کھولے، باقی اپنا سارا جسم اور آرائش چھپا کر رکھے۔

۴۴ اس حکم کا مطلب سمجھنے میں بھی فقہاء کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے۔ ایک گروہ اس سے مراد صرف وہ لونڈیاں لیتا ہے جو کسی عورت کی ملک میں ہوں۔ ان حضرات کے نزدیک ارشادِ الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ لونڈی خواہ مشرکہ ہو یا اہلِ کتاب میں سے، مسلمان مالکہ اس کے سامنے تو اظہارِ زینت کر سکتی ہے مگر غلام، چاہے وہ عورت کا اپنا مملوک ہی کیوں نہ ہو، پردے کے معاملہ میں اس کی حیثیت وہی ہے جو کسی آزاد اجنبی مرد کی ہے۔ یہ عبداللہ بن مسعود، مجاہد، حسن بصری، ابن سیرین، سعید بن مُسَیّب، طاؤس، اور امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے اور ایک قول امام شافعی کا بھی اسی کی تائید میں ہے۔ ان بزرگوں کا استدلال یہ ہے کہ غلام کے لیے اس کی مالکہ محرم نہیں ہے۔ اگر وہ آزاد ہو جائے تو اپنی اسی سابق مالکہ سے نکاح کر سکتا ہے۔ لہٰذا محض غلامی اس امر کا سبب نہیں بن سکتی کہ عورت اس کے سامنے وہ آزادی برتے جس کی اجازت محرم مردوں کے سامنے برتنے کے لیے دی گئی ہے۔ رہا یہ سوال کہ ما ملکت ایمانھن کے الفاظ عام ہیں، جو لونڈی اور غلام دونوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں، پھر اسے لونڈیوں کے لیے خاص کرنے کی کیا دلیل ہے؟ اس کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ یہ الفاظ اگرچہ عام ہیں مگر موقع و محل ان کا مفہوم لونڈیوں کے لیے خاص کر رہا ہے۔ پہلے نسائِھن فرمایا، پھر ما ملکت ایمانھن ارشاد ہوا۔ نسائِھن کے الفاظ سن کر عام آدمی یہ سمجھ سکتا تھا کہ اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جو کسی عورت کی ملنے جلنے والی یا رشتہ دار ہوں۔ اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی تھی کہ شاید لونڈیاں اس میں شامل نہ ہوں اس لیے ما ملکت ایمانھن کہہ کر یہ بات صاف کر دی گئی کہ آزاد عورتوں کی طرح لونڈیوں کے سامنے بھی اظہارِ زینت کیا جا سکتا ہے۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اس اجازت میں لونڈی اور غلام دونوں شامل ہیں۔ یہ حضرت عائشہ اور ام سلمہ اور بعض ائمہ اہل بیت کا مذہب ہے اور امام شافعی کا مشہور قول بھی یہی ہے۔ ان کا استدلال صرف لفظ ما ملکت ایمانھن کے عموم ہی سے نہیں ہے بلکہ وہ سنت سے بھی اپنی تائید میں شواہد پیش کرتے ہیں۔ مثلاً یہ واقعہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک غلام عبداللہ بن مسعدۃ الفزاری کو لیے ہوئے حضرت فاطمہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ وہ اس وقت ایک ایسی چادر اوڑھے ہوئے تھیں جس سے سر ڈھانکتی تھیں تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں ڈھانکتی تھیں تو سر کھل جاتا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی گھبراہٹ دیکھ کر فرمایا لیس علیک باس، انما ھو ابوک و غلامک "کوئی حرج نہیں، یہاں بس تمہارا باپ ہے اور تمہارا غلام" (ابوداؤد، احمد، بیہقی بروایت انس بن مالک۔ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ یہ غلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو دے دیا تھا، انہوں نے اسے پرورش کیا اور پھر آزاد کر دیا، مگر اس احسان کا جو بدلہ اس نے دیا وہ یہ تھا کہ جنگ صفین کے زمانے میں وہ حضرت علی کا بدترین دشمن اور امیر معاویہ کا پرجوش حامی تھا)۔ اسی طرح وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ اذا کان لاحداکن مکاتب وکان لہ ما یؤدی فلتحتجب منہ "جب تم میں سے کوئی اپنے غلام سے مکاتبت کرے اور وہ مالِ کتابت ادا کرنے کی مقدرت رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ ایسے غلام سے پردہ کرے" (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، احمد، بروایت ام سلمہ)

ھکہ اصل میں التابعین غیر اولی الاربۃ من الرجال کے الفاظ ہیں جن کا لفظی ترجمہ ہوگا "مردوں میں سے وہ مرد جو تابع ہوں خواہش نہ رکھنے والے"۔ ان الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ محرم مردوں کے سوا دوسرے کسی مرد کے سامنے ایک مسلمان عورت صرف اس صورت میں اظہارِ زینت کر سکتی ہے جبکہ اس میں دو صفات پائی جاتی ہوں: ایک یہ کہ وہ تابع، یعنی زیردست اور ماتحت ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ خواہش نہ رکھنے والا ہو، یعنی اپنی عمر، یا جسمانی عدم اہلیت، یا عقلی کمزوری، یا فقر و مسکنت، یا زیردستی و محکومی کی بنا پر جس میں یہ طاقت یا جرأت نہ ہو کہ صاحبِ خانہ کی بیوی، بیٹی، بہن یا ماں کے متعلق کوئی بری نیت دل میں لا سکے۔ اس حکم کو جو شخص بھی فرمانبرداری کی نیت سے، نہ کہ نافرمانی کی گنجائشیں ڈھونڈنے کی نیت سے، پڑھیگا وہ اول نظر ہی میں محسوس کرے گا کہ آج کل کے بیرے، خانسامے، شوفر اور دوسرے جوان نوکر تو بہرحال اس تعریف میں نہیں آتے۔ مفسرین اور فقہاء نے

اس کی جو تشریحات کی ہیں ان پر ایک نظر ڈال لینے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اہلِ علم ان الفاظ کا کیا مطلب سمجھتے رہے ہیں :۔

ابن عباس —— اس سے مراد وہ سیدھا سادھا بدھو مغفل آدمی ہے جو عورتوں سے دلچسپی نہ رکھتا ہو۔

قتادہ —— ایسا دست نگر آدمی جو پیٹ کی روٹی پانے کے لیے تمہارے ساتھ لگا رہے۔

مجاہد —— ابلہ، جو روٹی چاہتا ہے اور عورتوں کا طالب نہیں ہے۔

شعبی —— وہ جو صاحب خانہ کا تابع و دست نگر ہو اور جس کی اتنی ہمت ہی نہ ہو کہ عورتوں پر نگاہ ڈال سکے۔

ابن زید —— وہ جو کسی خاندان کے ساتھ لگا رہے حتیٰ کہ گویا اسی گھر کا ایک فرد بن گیا ہو اور اسی گھر میں پلا بڑھا ہو۔ جو گھر والوں کی عورتوں پر نگاہ نہ رکھتا ہو، نہ اس کی ہمت ہی کر سکتا ہو۔ وہ ان کے ساتھ اس لیے لگا رہتا ہو کہ ان سے اس کو روٹی ملتی ہے۔

طاؤس اور زہری —— بے وقوف آدمی جس میں نہ عورتوں کی طرف رغبت ہو اور نہ اس کی ہمت۔

(ابن جریر ج ۱۸ ص ۹۵-۹۶ - ابن کثیر ج ۳ ص ۲۸۵)

ان تشریحات سے بھی زیادہ واضح تشریح وہ واقعہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیش آیا تھا اور جسے بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور احمد وغیرہ محدثین نے حضرت عائشہ اور ام سلمہ سے روایت کیا ہے۔ مدینہ طیبہ میں ایک مخنث تھا جسے ازواج مطہرات اور دوسری خواتین غیر اولی الاربہ میں شمار کر کے اپنے یہاں آنے دیتی تھیں۔ ایک روز جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین حضرت ام سلمہ کے ہاں تشریف لے گئے تو آپ نے اس کو حضرت ام سلمہ کے بھائی عبداللہ بن ابی امیہ سے باتیں کرتے سن لیا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ کل اگر طائف فتح ہو جائے تو غیلان ثقفی کی بیٹی بادیہ کو حاصل کیے بغیر نہ رہنا۔ پھر اس نے بادیہ کے حسن اور اس کے جسم کی تعریف کرنی شروع کی اور اس کے پوشیدہ اعضاء تک کی صفت بیان کر ڈالی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ باتیں سنیں تو فرمایا خدا کے دشمن، تو نے تو اس میں نظریں گاڑ دیں۔" پھر آپ نے حکم دیا کہ اس سے پردہ کرو، آئندہ یہ گھروں میں نہ آنے پائے۔ اس کے بعد آپ نے اسے مدینہ سے باہر نکال دیا، اور دوسرے مخنثوں کو بھی گھروں میں گھسنے سے منع فرما دیا،

باتوں سے ابھی واقف نہ ہوئے ہوں[46]۔ وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ اپنی جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہو اس کا لوگوں کو علم ہو جائے[47]۔

اے مومنو، تم سب مل کر اللہ سے توبہ کرو[48]، توقع ہے کہ فلاح پاؤ گے[49]۔

کیونکہ اُن کو مخنث سمجھ کر عورتیں اُن سے احتیاط نہ کرتی تھیں اور وہ ایک گھر کی عورتوں کا حال دوسرے مردوں سے بیان کرتے تھے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ غیر اولی الاربہ ہونے کے لیے صرف یہ بات کافی نہیں ہے کہ ایک شخص جسمانی طور پر بدکاری کے لائق نہیں ہے۔ اگر اس میں دبی ہوئی صنفی خواہشات موجود ہیں اور وہ عورتوں سے دلچسپی رکھتا ہے تو بہر حال وہ بہت سے فتنوں کا موجب بن سکتا ہے۔

[46] یعنی جن میں ابھی صنفی احساسات بیدار نہ ہوئے ہوں۔ یہ تعریف زیادہ سے زیادہ دس بارہ برس کی عمر تک کے لڑکوں پر صادق آسکتی ہے۔ اس سے زیادہ عمر کے لڑکے اگرچہ نابالغ ہوں، مگر ان میں صنفی احساسات بیدار ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔

[47] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کو صرف زیوروں کی جھنکار تک محدود نہیں رکھا ہے، بلکہ اس سے یہ اصول اخذ فرمایا ہے کہ نگاہ کے سوا دوسرے حواس کو مشتعل کرنے والی چیزیں بھی اُس مقصد کے خلاف ہیں جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو اظہارِ زینت سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ نے عورتوں کو حکم دیا کہ خوشبو لگا کر باہر نہ نکلیں۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ حضور نے فرمایا لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ ولکن لیخرجن و ھن تفلات، "اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں میں آنے سے منع نہ کرو، مگر وہ خوشبو لگا کر نہ آئیں" (ابو داؤد، احمد)۔ اسی مضمون کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ایک عورت مسجد سے نکل کر جا رہی تھی کہ حضرت ابو ہریرہؓ اس کے پاس سے گزرے اور انہوں نے محسوس کیا کہ وہ خوشبو لگائے ہوئے ہے۔ انہوں نے اسے روک کر پوچھا "اے خدائے جبار کی بندی، کیا تو مسجد سے آرہی ہے؟" اس نے کہا ہاں۔ بولے "میں نے اپنے محبوب ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو عورت مسجد میں خوشبو لگا کر آئے اس کی نماز اُس وقت تک قبول نہیں ہوتی جب تک وہ گھر جا کر غسلِ جنابت نہ کرے" (ابو داؤد، ابن ماجہ، احمد، نسائی)۔ ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا استعطرت المرأۃ فمرت علی القوم لیجدوا ریحھا فھی کذا و کذا

قال قولاً منہ یدًا)" جو عورت عطر لگا کر راستے سے گزرے تا کہ لوگ اس کی خوشبو سے لطف اندوز ہوں تو وہ ایسی اور ایسی ہے، آپ نے اس کے لیے بڑے سخت الفاظ استعمال فرمائے" (ترمذی، ابو داؤد، نسائی) آپ کی ہدایت یہ تھی کہ عورتوں کو وہ خوشبو استعمال کرنی چاہیے جس کا رنگ تیز ہو اور بُو ہلکی ہو (ابو داؤد)

اسی طرح آپ نے اس بات کو بھی ناپسند فرمایا کہ عورتیں بلا ضرورت اپنی آواز مردوں کو سنائیں ضرورت پڑنے پر بات کرنے کی اجازت تو خود قرآن میں دی گئی ہے، اور لوگوں کو دینی مسائل خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات بتایا کرتی تھیں۔ لیکن جہاں اس کی نہ ضرورت ہو اور نہ کوئی دینی یا اخلاقی فائدہ، وہاں اس بات کو پسند نہیں کیا گیا ہے کہ عورتیں اپنی آواز غیر مردوں کو سنائیں۔ چنانچہ نماز میں اگر امام بھول جائے تو مردوں کو حکم ہے کہ سبحان اللہ کہیں، مگر عورتوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ اپنے ایک ہاتھ پر دوسرا ہاتھ مار کر امام کو متنبہ کریں۔ التسبیح للرجال و التصفیق للنساء (بخاری، مسلم، احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

۴۸ ؎ یعنی ان لغزشوں اور غلطیوں سے جو اس معاملے میں اب تک کرتے رہے ہو، اور آئندہ کے لیے اپنے طرز عمل کی اصلاح ان ہدایات کے مطابق کر لو جو اللہ اور اس کے رسول نے دی ہیں۔

۴۹ ؎ اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُن دوسری اصلاحات کا بھی ایک خلاصہ دے دیا جائے جو ان احکام کے نزول کے بعد قرآن کی روح کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی معاشرے میں رائج فرمائیں۔

(۱) آپ نے محرم رشتہ داروں کی غیر موجودگی میں دوسرے لوگوں کو (خواہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں) کسی عورت سے تنہا ملنے اور اس کے پاس تنہا بیٹھنے سے منع فرما دیا۔ حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا لا تلجوا علی المغیبات فان الشیطان یجری من احدکم مجری الدم "جن عورتوں کے شوہر باہر گئے ہوئے ہوں ان کے پاس نہ جاؤ، کیونکہ شیطان تم میں سے ایک شخص کے اندر خون کی طرح گردش کر رہا ہے" (ترمذی) انہی حضرت جابر کی دوسری روایت ہے کہ حضور نے فرمایا من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلا یخلون بامرأۃ لیس معھا ذو محرم منھا فان ثالثھما الشیطان "جو شخص اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتا ہو وہ کبھی کسی عورت سے تنہائی میں نہ ملے جب تک کہ اس کے ساتھ اس عورت کا کوئی محرم نہ ہو، کیونکہ تیسرا اُس وقت شیطان ہوتا ہے" (احمد)۔ قریب قریب اسی مضمون کی ایک اور روایت امام احمد نے عامر بن

ربیعہ سے نقل کی ہے۔ اس معاملے میں حضورؐ کی اپنی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ رات کے وقت آپ حضرت صفیہؓ کے ساتھ اُن کے مکان کی طرف جا رہے تھے۔ راستے میں دو انصاری پاس سے گزرے۔ آپ نے ان کو روک کر ان سے فرمایا یہ میرے ساتھ میری بیوی صفیہ ہیں۔ انہوں نے عرض کیا سبحان اللہ، یا رسول اللہ، بھلا آپ کے متعلق بھی کوئی بدگمانی ہو سکتی ہے؟ فرمایا شیطان آدمی کے اندر خون کی طرح گردش کرتا ہے، مجھے اندیشہ ہوا کہیں وہ تمہارے دل میں کوئی برا گمان نہ ڈال دے (ابوداؤد، کتاب الصوم)۔

(۲) آپ نے اس کو بھی جائز نہیں رکھا کہ کسی مرد کا ہاتھ کسی غیر محرم عورت کے جسم کو لگے۔ چنانچہ آپ مردوں سے بیعت تو ہاتھ میں ہاتھ لیکر کرتے تھے، لیکن عورتوں سے بیعت لینے کا یہ طریقہ آپ نے کبھی اختیار نہیں فرمایا۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ کبھی کسی غیر عورت کے جسم کو نہیں لگا۔ آپ عورت سے صرف زبانی عہد لیتے تھے اور جب وہ عہد کر چکتی تھی تو فرماتے، جاؤ بس تمہاری بیعت ہو گئی" (ابوداؤد، کتاب الخراج)۔

(۳) آپ نے عورت کو محرم کے بغیر تنہا یا غیر محرم کے ساتھ سفر کرنے سے سختی کے ساتھ منع فرما دیا۔ بخاری و مسلم میں ابن عباس کی روایت ہے کہ حضورؐ نے خطبہ میں فرمایا لا یخلون رجل بامرأۃ الا ومعھا ذو محرم، ولا تسافر المرأۃ الا مع ذی محرم، "کوئی مرد کسی عورت سے خلوت میں نہ ملے جب تک کہ اس کے ساتھ اس کا کوئی محرم نہ ہو، اور کوئی عورت سفر نہ کرے جب تک کہ اس کا کوئی محرم اس کے ساتھ نہ ہو"۔ ایک شخص نے اٹھ کر عرض کیا میری بیوی حج کو جا رہی ہے اور میرا نام فلاں مہم پر جانے والوں میں لکھا جا چکا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا فانطلق فحج مع امرأتک "اچھا تو تم اپنی بیوی کے ساتھ حج کو چلے جاؤ"۔ اس مضمون کی متعدد احادیث ابن عمر، ابو سعید خدری اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے معتبر کتب حدیث میں مروی ہیں جن میں صرف مدت سفر یا مسافت سفر کے اعتبار سے اختلاف بیان ہے۔ مگر اس امر میں اتفاق ہے کہ کسی مومن عورت کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کو مانتی ہو، محرم کے بغیر سفر کرنا حلال نہیں ہے۔ ان میں سے کسی حدیث میں ۱۲ میل یا اس سے زیادہ کے سفر پر پابندی کا ذکر ہے، کسی میں ایک دن، کسی میں ایک شب و روز، کسی میں دو دن اور کسی میں تین دن کی حد بتائی گئی ہے۔ لیکن یہ اختلاف ان احادیث کو نہ تو ساقط الاعتبار بنا دیتا ہے اور نہ اس کی وجہ سے یہ ضروری ہے کہ ہم ان میں سے کسی ایک روایت کو دوسری روایتوں پر ترجیح دے کر اس حد کو قانونی مقدار قرار دینے کی کوشش کریں جو اس روایت میں بیان ہوئی ہو۔ اس لیے

کہ اس اختلاف کی یہ معقول وجہ سمجھ میں آسکتی ہے کہ مختلف مواقع پر جیسی صورت معاملہ حضور کے سامنے پیش ہوئی ہو اسی کے لحاظ سے آپ نے حکم بیان فرمایا ہو۔ مثلاً کوئی عورت تین دن کی مسافت پر جارہی ہو اور آپ نے اسے محرم کے بغیر جانے سے منع فرمایا ہو، اور کوئی ایک دن کی مسافت پر جارہی ہو اور آپ نے اسے بھی روک دیا ہو۔ اس میں مختلف سائلوں کے الگ الگ حالات اور ہر ایک کو آپ کے مختلف جوابات اصل چیز نہیں ہیں، بلکہ اصل چیز وہ قاعدہ ہے جو اوپر ابن عباس والی روایت میں ارشاد ہوا ہے، یعنی سفر جسے عرف عام میں سفر کہا جاتا ہے، محرم کے بغیر کسی عورت کو نہ کرنا چاہیے۔

(۴) آپ نے عورتوں اور مردوں کے اختلاط کو روکنے کی عملاً بھی کوشش فرمائی اور قولاً بھی اس سے منع فرمایا۔ اسلامی زندگی میں جمعہ اور جماعت کی جو اہمیت ہے، کسی صاحب علم سے پوشیدہ نہیں۔ جمعہ کو اللہ نے خود فرض کیا ہے۔ اور نماز باجماعت کی اہمیت کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی شخص بلاعذر مسجد میں حاضر نہ ہو اور اپنے گھر میں نماز پڑھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے مطابق اس کی نماز مقبول ہی نہیں ہوتی (ابوداؤد، ابن ماجہ، دارقطنی، حاکم، بروایت ابن عباس)۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو جمعہ کی فرضیت سے مستثنیٰ قرار دیا (ابوداؤد بروایت ام عطیہ، دارقطنی و بیہقی بروایت جابر، ابوداؤد و حاکم بروایت طارق بن شہاب) اور نماز باجماعت میں عورتوں کی شرکت نہ صرف یہ کہ لازم نہیں رکھی بلکہ اس کی اجازت ان الفاظ میں دی کہ اگر وہ آنا چاہیں تو انہیں روکو نہیں۔ پھر اس کے ساتھ یہ تصریح بھی فرمادی کہ ان کے لیے گھر کی نماز مسجد کی نماز سے افضل ہے۔ ابن عمر اور ابوہریرہ کی روایت ہے کہ حضور نے فرمایا لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ "اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں میں آنے سے منع نہ کرو" (ابوداؤد)۔ دوسری روایات ابن عمر سے ان الفاظ اور ان سے ملتے جلتے الفاظ میں ہیں ائذنوا للنساء الی المساجد باللیل "عورتوں کو رات کے وقت مسجدوں میں آنے کی اجازت دو" (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد) اور ایک روایت ان الفاظ میں ہے لا تمنعوا نساءکم المساجد و بیوتھن خیر لھن "اپنی عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے روکو نہیں، اگرچہ ان کے گھر ان کے لیے زیادہ بہتر ہیں (احمد، ابوداؤد)۔ ام حُمید ساعدیہ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کا بڑا شوق ہے۔ فرمایا "تمہارا اپنے کمرے میں نماز پڑھنا برآمدے میں پڑھنے سے بہتر ہے۔ اور تمہارا اپنے گھر

میں نماز پڑھنا اپنے محلے کی مسجد میں پڑھنے سے بہتر ہے، اور تمہارا اپنے محلے کی مسجد میں نماز پڑھنا جامع مسجد میں پڑھنے سے بہتر ہے" (احمد، طبرانی)۔ قریب قریب اسی مضمون کی روایت ابوداؤد میں عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے اور حضرت ام سلمہ کی روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ یہ ہیں خیر مساجد النساء قعر بیوتھن، "عورتوں کے لیے بہترین مسجد ان کے گھروں کے اندرونی حصے ہیں" (احمد، طبرانی)۔ لیکن حضرت عائشہ دور بنی امیہ کی حالت دیکھ کر فرماتی ہیں "اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے یہ رنگ ڈھنگ دیکھتے جو اب ہیں تو ان کا مسجدوں میں آنا اسی طرح بند فرما دیتے جس طرح بنی اسرائیل کی عورتوں کا آنا بند کیا گیا تھا" (بخاری، مسلم، ابوداؤد)۔ مسجد نبوی میں حضور نے عورتوں کے داخل ہونے کے لیے ایک الگ دروازہ مخصوص کر دیا تھا، اور حضرت عمر اپنے دور حکومت میں مردوں کو اس دروازے سے آنے جانے کی سخت ممانعت فرماتے تھے (ابوداؤد، باب اعتزال النساء فی المساجد اور باب ما جاء فی خروج النساء الی المساجد)۔ جماعت میں عورتوں کی صفیں مردوں سے پیچھے رکھی جاتی تھیں اور نماز کے خاتمے پر حضور سلام پھیرنے کے بعد کچھ دیر توقف فرماتے تھے تاکہ مردوں کے اٹھنے سے پہلے عورتیں اٹھ کر چلی جائیں (احمد، بخاری بروایت ام سلمہ) اور آپ کا ارشاد تھا کہ مردوں کی بہترین صف سب سے آگے کی صف ہے اور بدترین صف سب سے پیچھے (یعنی عورتوں سے قریب) کی صف۔ اور عورتوں کی بہترین صف سب سے پیچھے کی صف ہے اور بدترین صف سب سے آگے کی (یعنی مردوں سے قریب کی) صف ہے (مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، احمد)۔ عیدین کی نماز میں عورتیں شریک ہوتی تھیں مگر ان کی جگہ مردوں سے الگ تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبے کے بعد عورتوں کی طرف جا کر ان کو الگ خطاب فرماتے تھے (ابوداؤد بروایت جابر بن عبداللہ۔ بخاری و مسلم بروایت ابن عباس)۔ ایک مرتبہ مسجد نبوی کے باہر آنحضرت نے دیکھا کہ راستے میں مرد اور عورت سب گڈمڈ ہو گئے ہیں۔ اس پر آپ نے عورتوں سے فرمایا استاخرن فانہ لیس لکن ان تحتضن الطریق، علیکن بحافات الطریق، "ٹھیر جاؤ، تمہارے لیے سڑک کے بیچ میں چلنا درست نہیں ہے، کنارے پر چلو۔" یہ ارشاد سنتے ہی عورتیں کنارے ہو کر دیواروں کے ساتھ ساتھ چلنے لگیں (ابوداؤد)۔ ان احکام سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں اور مردوں کی مخلوط مجلس اسلام کے مزاج سے کیسی سخت مغائرت رکھتی ہے۔ جو دین خدا کے گھر میں عبادت کے موقع پر بھی دونوں صنفوں کو خلط ملط

نہیں ہونے دیتا اس کے متعلق کون تصور کر سکتا ہے کہ وہ کالجوں میں، دفتروں میں، کلبوں اور جلسوں میں اسی اختلاط کو جائز رکھے گا۔

(۵) عورتوں کو اعتدال کے ساتھ بناؤ سنگھار کرنے کی آپ نے نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ بسا اوقات خود اس کی ہدایت فرمائی ہے، مگر اس میں حد سے گزر جانے کو بڑی سختی کے ساتھ روکا ہے۔ اس زمانے میں جس قسم کے بناؤ سنگھار عرب کی عورتوں میں رائج تھے ان میں سے حسب ذیل چیزوں کو آپ نے قابل لعنت اور سبب ہلاکت اقوام قرار دیا: اپنے بالوں میں دوسرے بال ملا کر ان کو زیادہ لمبا اور گھنا دکھانے کی کوشش کرنا۔ جسم کے مختلف حصوں کو گودنا اور مصنوعی تل بنانا۔ بال اکھاڑ اکھاڑ کر بھویں خاص وضع کی بنانا اور رونئیں نوچ نوچ کر منہ صاف کرنا۔ دانتوں کو گھس گھس کر باریک بنانا۔ یا دانتوں کے درمیان مصنوعی جھریاں پیدا کرنا۔ زعفران یا ورس وغیرہ کے مصنوعی ابٹنے مل کر چہرے پر مصنوعی رنگ پیدا کرنا۔ یہ احکام صحاح ستہ اور مسند احمد میں حضرت عائشہ، حضرت اسماء بنت ابی بکر، حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، اور امیر معاویہ سے معتبر سندوں کے ساتھ مروی ہیں۔

اللہ اور رسول کی ان صاف صاف ہدایات کو دیکھ لینے کے بعد ایک مومن انسان کے لیے دو ہی صورتیں رہ جاتی ہیں: یا تو وہ ان کی پیروی کرے اور اپنی، اپنے گھر کی اور اپنے معاشرے کی زندگی کو ان اخلاقی فتنوں سے پاک کر دے جن کے سد باب کے لیے اللہ نے قرآن میں اور اس کے رسول نے سنت میں اس قدر تفصیلی احکام دیئے ہیں۔ یا پھر اگر وہ اپنے نفس کی کمزوری کے باعث ان کی یا ان میں سے کسی کی خلاف ورزی کرتا ہے تو کم از کم اسے گناہ سمجھتے ہوئے کرے اور اس کو گناہ مانے، اور خواہ مخواہ کی تاویلوں سے گناہ کو صواب بنانے کی کوشش نہ کرے۔ ان دونوں صورتوں کو چھوڑ کر جو لوگ قرآن و سنت کے صریح احکام کے خلاف مغربی معاشرت کے طور طریقے اختیار کرنے ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ پھر انہی کو عین اسلام ثابت کرنے کی کوشش شروع کر دیتے ہیں اور علانیہ دعوے کرتے پھرتے ہیں کہ اسلام میں سرے سے پردے کا حکم موجود ہی نہیں ہے، وہ گناہ اور نافرمانی پر جہالت اور منافقانہ ڈھٹائی کا اضافہ کر لیتے ہیں جس کی قدر نہ دنیا میں کوئی شریف آدمی کر سکتا ہے نہ آخرت میں خدا سے اس کی امید کی جا سکتی ہے۔ لیکن مسلمانوں میں تو منافقوں سے بھی چار قدم آگے بڑھ کر ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو خدا اور رسول کے ان احکام کو غلط

(بقیہ صفحہ ۲۹۱ پر)